اذکروامحاسن موتاکم

شہ سوارِ تعبیرات

کے تعبیری جواہر پارے

......یعنی:......

مفکرملت

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ کی ادیبانہ شان

پیش کردہ بہ موقع:

سیمینار بعنوان حضرت مفکر ملت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی علیہ الرحمۃ

حیات وخدمات

منعقدہ: بتاریخ ۸؍صفر المظفر ۱۴۴۰ھ مطابق: ۱۸؍اکتوبر ۲۰۱۸ء بروز: جمعرات

بمقام: دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر، سورت، گجرات

از:

(حضرت مولانا) عبدالرحیم فلاحی (صاحب مدظلہٗ استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اکل کوا)

باسمہٖ تعالیٰ شانہٗ

............وہ کیا گئے کہ سارا زمانہ اداس ہے............

اللہ تعالیٰ نے اپنے مضبوط ومستحکم نظام کے تحت ہر فرد بشر خواہ نبی ہو یا غیر نبی اہل علم ہوں یا غیر اہل علم، شاہ ہو یا گدا، تاجر ہو یا غیر تاجر، معالج ہو یا مریض، شہری ہو یا دیہاتی؛ ہر ایک کو اس کے معیار پر ایک خاص صلاحیت بخشی ہے، جسے ناطقانہ صلاحیت، تکلم وتعبیر اور نطق وگفتار کی صلاحیت سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ صلاحیت ہر انسان کے لیے انفرادی خاصہ اور امتیازی خصوصیت ہے۔ انسان اپنے مافی الضمیر کو بہتر سے بہتر انداز میں تعبیر کرنے کی صلاحیت ہی کی وجہ سے ”حیوان ناطق“ کہلاتا ہے۔ تاہم حسنِ تعبیر کی یہ نعمت علاقہ وخطہ کے اعتبار سے اور کمیت وکیفیت کے زاویے سے مختلف ہوتی ہے، کوئی اس میں محنت شاقہ، جہد مسلسل اور مساعیٔ جمیلہ کے ساتھ وابستہ رہتا ہے تو خواہ وہ ناخواندہ وپس ماندہ علاقہ کا گم نام فرد ہو تعبیری دنیا کا آفتاب وماہتاب بن کر ابھرتا ہے اور کبھی کبھی خطۂ ادباء کا فرد اپنی غفلت وکوتاہی کے سبب، حسن تعبیر وحسن اداء کی دولت سے یکسر محروم رہتا ہے۔

ہمارے حضرت مفکر ملتؒ باوجود اس کے کہ علاقہ گجرات بل کہ وسط گجرات مابین البحرین (دریائے نرمدا وتاپتی) سے تعلق رکھتے ہیں، جو فطری طور پر حسن ادا کی خوبیوں سے محروم اور حسن ادب کی لطافت ونزاکت اور تعبیری بانکپن میں کوئی خاص درک نہیں رکھتا بل کہ ’ت‘ کی جگہ ’ٹ‘ اور ’د‘ کی جگہ ’ڈ‘ کے تلفظ میں اس خطہ کو ایک شناخت حاصل ہے، ایسے میں برما کی سرزمین پر ۱۹۳۳ء میں آنکھیں کھولنے والے ہمارے حضرت نے ۱۹۴۴ء میں کاپودرا جیسی گمنام بستی کو شرف قدوم بخشا اور پھر اسے

اپنے حسن کلام وحسن انتظام، حسن اخلاق اور حسن سلوک کے ذریعہ ''گلشن کا پودرا'' بنادیا تھا، وہاں ابتدائی سرکاری اور مکتبی تعلیم سے فراغت کے بعد جامعہ ڈابھیل میں ابتدائی عربی پڑھتے پڑھتے دارالعلوم دیوبند پہنچے اور وہاں اکابرین ومشائخ سے کسبِ فیض کیا لیکن سوئے قسمتی کہ کچھ دنوں کے لیے انقطاع ہوگیا۔

پھر دوبارہ جامعہ ڈابھیل میں داخلہ لے کر وہیں سے فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد مجلس خدام الدین کی خدمت کی اور کبھی اتالیق ابناء گارڈی تو کبھی جامعہ ڈابھیل کے استاذ عربی اور معاون مہتمم بن کر، کبھی جامعہ فلاح دارین کے مدیر سے لے کر مہتمم بل کہ منصب ریاست پر جلوہ افروز ہوکر تو کبھی ریاست وامارت سے منقطع ہوکر سرپرست اور نگرانِ اعلیٰ اور مشیر اعزازی اور رکن شوریٰ کے اعزاز پر پہنچ کر اپنی حیات مستعار کو خیر الناس من ینفع الناس کا عکس جمیل بنا کر اپنے اخلاف کے لیے اسوہ بن کر دنیا سے ایسے تشریف لے جاتے ہیں کہ حضرت مرحوم کی حیات بافیض کے جس گوشہ کو اٹھایا جائے ہر گوشہ عبرت خیزی اور سبق آموزی سے مملوء نظر آتا ہے۔

اس ناچیز کو اپنے بزرگوں کی زندگی اور اداؤں سے محبت کی بناء پر اس کا شوق ہے (اور خدا کرے کہ یہ شوق تادم حیات باقی رہے) کہ ان کی ادائے دل نواز کو پڑھ پڑھ اور دیکھ دیکھ کر، حتی المقدور ان کو اخذ کرنے کی کوشش بل کہ تبلیغ بھی کروں۔

ہمارے حضرت رئیس کے مزاج عالی میں بڑا حسنِ اخلاق وحسن انتظام تھا، بروقت ہر کام، ہر لمحہ ہر پل فعال، مشغول رہو اور مشغول رکھو، کام کرو اور کام کے

بناؤ، بل کہ ''چوں شمع از پئے علم باید گداخت'' کا عملی نمونہ اور ''بے علم نہ تواں خدارا شناخت'' کا حقیقی مبلغ، تمام پہلوؤں سے آپ آراستہ تھے، اللہ نے ہر قسمی خوبیوں کے ساتھ ساتھ تحریر وتقریر کی دودھاری تلوار اور خشک اور عام مضمون کو حسنِ تعبیر کی ادائے دل نواز سے ایسا وافر حصہ عطا فرمایا تھا کہ آپ کے حسنِ تعبیر کے سامنے بڑے بڑے اُدباء گھٹنے ٹیکنے پر مجبور، بل کہ آپ کی حسنِ تعبیر پر فدا ہوجاتے، آپ عام گفتگو کر رہے ہوں یا خطیبانہ شان سے خطاب فرما رہے ہوں، انتظامی گتھیوں کو سلجھا رہے ہوں یا تعزیتی تجاویز پیش فرما رہے ہوں، طلبہ میں تربیتی گفتگو کر رہے ہوں یا علماء میں علمی مذاکرہ فرما رہے ہوں، دانشوروں کے درمیان دانشمندانہ موضوع چھیڑے ہوئے ہوں یا مقالات ومضامین کی شکل میں نثر نگاری فرما رہے ہوں، اپنے بڑوں کے حسین تذکروں پر قلم چلا رہے ہوں یا دیوانِ امام شافعیؒ کے مترجم بن کر ترجمہ نگاری پر فن کاری فرما رہے ہوں، علامہ بدرالدین عینیؒ کا علم حدیث میں مقام؛ کو آشکارا فرما رہے ہوں یا علامہ یوسف بنوریؒ کی محدثانہ شان کو اجاگر کر رہے ہوں، رشد وہدایت کے میناروں کو چمکا رہے ہوں یا افکارِ پریشاں کو ایک لڑی میں پرو رہے ہوں، نیز عربی میں ہو یا غیر عربی (اردو اور گجراتی) میں، ہر موقع پر حسن تعبیر کے جوہر سے دل کو موہ لینے والی تعبیرات کو کبھی اپنے سے جدا نہ کیا بل کہ یہ ذوقِ ادیبانہ عمر وسن کی ترقی کے ساتھ ہمیشہ ترقی ہی کرتا رہا۔

چوں کہ سردست حضرت مرحوم جیسی شش جہات شخصیت کا ہر جہت سے تعارف کرانا مقصود نہیں ہے، بل کہ آپ کی بلیغانہ وفصیحانہ تعبیرات، جو آپ کے خطابات ومجالس اور مقالات ومضامین میں پنہاں ہیں۔ ان ہی کو میں نے موضوع

بنایا ہے تاکہ ادبی اور تعبیراتی ذوق رکھنے والے افراد کے لیے سامانِ تسکین بھی ہو اور سامانِ عبرت بھی۔ اور ہم طلبہ بھی اسی نقشِ قدم پر عمل پیرا ہوں، آپ کی تعبیرات کے حسن کا جائزہ لینے کے لیے تو دفتر کے دفتر درکار ہیں، جو آپ کی تصنیفات و خطابات کی شکل میں موجود ہیں، تاہم ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر چند تعبیرات قارئین کے نظر نواز کی جا رہی ہیں، مثلاً:

☆......ایک مرتبہ ایک ادارے میں بہ طور ہدیہ ایک کتاب روانہ فرمائی لیکن ادارے کے مسئول کی طرف سے نہ کتاب کی دست یابی کی اطلاع آئی نہ کسی قسم کی شکر گزاری، تو اس پر آپ نے بذاتِ خود بہ ذریعہ فون رابطہ کر کے دریافت کیا کہ '' **بروز جمعہ آپ کے ادارے کے ایک مدرس کی معرفت ادارے کے لیے ایک کتاب روانہ کی شاید آپ کو دست یاب ہوگئی ہوگی، ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے کثرتِ مشاغل اور مصروفیت کی وجہ سے اطلاع نہ کر پائے ہوں تو میں نے سوچا کہ میں ہی آپ کی خیر خبر لے لوں**'' دیکھئے کتنے لطیف انداز میں کتاب کی رسید نہ ملنے پر تنبیہ کی۔

☆......ایک مرتبہ ایک دسترخوان پر کھانا تناول فرما رہے تھے، کھانے میں نمک کم تھا اب یہ ظاہر کرنا کہ ہمیں نمک کی ضرورت ہے یا کھانے میں نمک نہیں یا کم ہے، یہ تعبیر کبھی خانہ جنگی کا باعث بن سکتی ہے، تو نہایت محتاط انداز میں ارشاد فرمایا کہ '' **ہم لوگ کھانے میں نمک کچھ زیادہ ہی استعمال کرتے ہیں**'' اس انوکھی تعبیر نے نمک کی ضرورت بھی پوری کر دی اور خانہ جنگی سے حفاظت بھی۔ اور تعبیری کشش بھی اپنی جگہ برقرار۔

☆......اسی طرح ایک مرتبہ ایک ایسے علاقہ میں تشریف لے گئے جس علاقہ میں مرچ

کا استعمال بے رحمی سے (بہت زیادہ) ہوتا ہے، دسترخوان لگایا گیا، کثرت مرچ نے اپنا جلوہ دکھانا شروع کیا، تو دیکھئے اس حسن تعبیر کے بے تاج بادشاہ نے کس حسن اسلوبی سے اپنی اس ضرورت کا احساس میزبان کو دلایا جس کی وجہ سے بات کی بات بھی ہوگئی اور ضرورت کی تکمیل بھی، فرمانے لگے '' **اصل میں ہم لوگ ایسے علاقہ کے باشندے ہیں جہاں مرچ کا استعمال کم ہی ہوتا ہے، اگر لیموں موجود ہو تو یہ تلخی، ترشی میں تبدیل ہو جائے گی**''۔ یہ اس لیے فرمایا کہ لیموں کی ترشی سے ہی مرچ کی تیزی کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔

☆......آپ کے دور اہتمام کا طرۂ امتیاز یہ رہا کہ آپ حضر میں ہوتے ہوئے کبھی بھی فجر اور عصر کی نماز مسجد فلاح دارین کے علاوہ کسی اور جگہ ادا نہ فرماتے اور مطبخ میں پابندی سے دوپہر اور شام کے کھانے پر بہ نفس نفیس حاضر ہو کر وقتی تعبیری الفاظ و آداب سے طلبہ کو متنبہ فرماتے، مثلاً: کھانوں میں چاول مختلف پکوان کے لیے ہوتا ہے، طلبہ سے فرماتے کہ '' کھچڑی، دھان وغیرہ کی بجائے چاول ہی کا لفظ استعمال کرو اور کڑھی، دال، مونگ گوشت وغیرہ کے لیے صرف سالن کے عمومی لفظ کے استعمال پر اتنا زور دیتے کہ ہر نیا طالب علم، قدیم طلباء سے اس تعبیر کو بہ آسانی اخذ کر لیتا۔

☆......اگر کوئی استاذ اپنے وقت مقررہ پر درس گاہ نہ پہنچتے تو کسی طرح اپنے گشت کے دوران درس گاہ پہنچ کر مصروف درس ہو جاتے اور استاذ کے تاخیر سے آنے پر صرف اتنا فرماتے کہ '' **شاید آپ کسی ضروری کام میں مصروف ہیں میں طلباء کے ساتھ کچھ دیر گپ شپ کروں تاکہ طلباء انتظار کی زحمت سے بچ جائیں**''۔

یہ تو وہ لفظی اور وقتی اور انتظامی تعبیرات ہیں جو گویا آپ کی طبیعت ثانیہ بن

چکی تھیں اور الفاظ، سانچے میں ڈھل ڈھل کر ادبی جواہر پارے بن رہے تھے، لیکن آپ کی حسن تعبیر کا اصل رنگ تو آپ کے مضامین و مقالات میں ایسے اور اتنے ہیں کہ آپ کی ایک تعبیر پر دل بلیوں اچھلنے لگتا ہے، چناں چہ

''آپ کا حسن تعبیر، مقالات ومضامین میں''

کے عنوان سے چند تعبیرات پیش خدمت ہیں:

☆......آپ نے ایک بہت ہی مفید کتاب بنام''رشد وہدایت کے مینار'' ترتیب دی، جس میں ان عبقری شخصیات کا ذکر جمیل ہے، جن سے حضرت مرحوم نے تلمیذانہ یا مریدانہ یا کسی کے آستانہ پر پہنچ کر کسی طرح کا کوئی کسب فیض کیا ہے۔اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے کہ افادیت اور شخصیت کی تعمیر میں کن کن مراحل سے گذرنا پڑتا ہے؛ حضرت علامؒ نے کس حسن اسلوبی سے تعبیر فرمایا ہے، ملاحظہ کریں''**یہ علماء کرام کا مختصر تذکرہ میں نے اسی غرض سے تحریر کیا ہے تا کہ قارئین کو اندازہ ہو کہ جب تک آدمی صد ہا اہل علم سے ملاقات نہ کرے اور ان سے مستفید نہ ہو وہاں تک اس کے سامنے علمی آفاق روشن نہیں ہوتے اور نہ اسے بلوغ ہو پاتا ہے**''۔(ص:۱/۷)

☆......اسی طرح محسنین کی احسان شناسی اور شکر گزاری کا جذبہ پوری طرح اللہ نے ودیعت فرمایا تھا، مگر یہ جذبہ تملق اور چاپلوسی سے بالکل خالی اور عاری ہوتا تھا، چناں چہ اپنے ایک ایسے محسن جن کا حسنِ تعاون کئی کتابوں کی طباعت کے سلسلے میں ہوا، ان کی شکر گزاری کے الفاظ کتنے حسین پیرایہ میں استعمال فرمایا ہے، جس میں تعاون حالی اور ماضی دونوں کی شکر گزاری ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

''**نیز بہت ہی شکر گزار ہوں جناب حاجی شبیر احمد لولاٹ صاحب کاپودروی**

زید مجدہم مقیم حال زامبیا کا، کہ جنہوں نے اپنی قدیم روایت کے مطابق اس کتاب کی طباعت میں بھی اپنا قیمتی تعاون پیش فرمایا، فجزاهم الله احسن الجزاء''۔

☆......اپنے مکتبِ اول کے استاذ (جن کو آدمی بلندیوں پر پہنچنے کے بعد بالکل فراموش کردیتا ہے) کا ذکرِ جمیل کتنے حسین پیرایہ میں فرماتے ہیں آپ رقم طراز ہیں کہ''**میرے سب سے پہلے استاذ اور مربی جناب حافظ ابراہیم بن اسماعیل صاحب ملاّ ساکن عمرواڑہ جن کی شفقتوں نے میرے لیے قرآن مجید اور دینی تعلیم کے حصول کو آسان بنادیا**''۔کاش ان کی روح تک یہ حسین احسان شناسی سے لبریز تعبیر، رسائی کر پاتی تو ان کی روح اپنے اس باوفا شاگرد کی، دارین کی ترقی کے لیے مزید مچلتی۔رحمة الله عليه رحمة واسعة

☆......نیز اپنے اس معلم اول کی اصول پسندی، باز پرسی، حتی کہ گوش مالی کی منظر کشی بھی کرتے ہیں، ایک ہلکی سی جھلک ملاحظہ فرمائیں''**گاؤں میں ہر شخص ان کو عزت کی نظر سے دیکھتا تھا باوجود خوش خلقی کے، بچوں پر رعب کا یہ حال تھا کہ حافظ صاحب کے مسجد جانے یا آنے کے وقت محلے میں کھیلنے کی ہمت نہیں ہوسکتی تھی، اگر کسی کو نازیبا حرکت کرتے دیکھ لیتے تو گوش مالی فرماتے، سبق یاد نہ ہونے پر سزا بھی ہوتی تھی**''۔

کسی مکتب کے استاذ کا اہل قریہ سے تعلق، مفاد پرستی کا نہ ہو تو وہ ہر دل عزیز بن سکتا ہے، مکتب کے بچوں کی تربیت کا ذوق ہو تو بچے محبت بھرا سلوک بل کہ عزت بھرا سلوک کرتے ہیں اور جب مخلص استاذ، بے غرض ہو کر کسی کی اولاد کے ساتھ تادیبی کارروائی کرتا ہے تو ان کے والدین شکوہ شکایت کے بجائے شاکرانہ معاملہ

فرماتے ہیں‘‘۔

☆......جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل کے درجۂ فارسی کے ایک استاذ محترم کی مدتِ تدریس اور غیر ملکی سفر کی عکاسی جس جامع پیرایہ میں فرمائی یہ آپ ہی کا امتیاز اور خصوصیت ہے، فرماتے ہیں ’’**موصوف کا زمانۂ تدریس مختصر رہا، ڈابھیل کے بعد جزائرِ غرب الہند کے جزیرۂ بار بادوز تشریف لے گئے اور دینی خدمات تاحیات انجام دیتے رہے، بار بادوز میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے** رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ‘‘۔

ذرا مذکورہ حسنِ تعبیر کو عبرت آمیز نگاہ سے مطالعہ کرتے ہوئے ملاحظہ فرمائیں کہ استاذ محترم کی ایک سالہ مدتِ تدریس کو ذکر کرنے کے بجائے لفظ مختصر سے تعبیر فرمایا۔ بار بادوز جس کو عام طور پر ایک ملک یا کنٹری سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کو جزیرۂ غرب الہند سے تعبیر فرمایا۔ دینی خدمات تا آخر حیات انجام دیتے رہے سے، تعبیر فرما کر ان کے حسنِ خاتمہ کا بھی اشارہ فرما دیا جو کامیاب زندگی کا لب لباب ہے۔

☆......اپنے ایک محسن اور بافیض استاذ حضرت مولانا عبدالحئ بسم اللہ ڈابھیلی سے موسوم، فارسی دوم کے ضابطہ کے استاذ لیکن اردو فارسی کا ادبی ذوق اور مطالعۂ کتب کا شوق دلانے، آدابِ مجلس کے گُر سکھانے والے، بل کہ ’’الفاروقؓ، سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ‘‘ کے مطالعہ کی ترغیب دینے والے اور اخلاق محسنی اور یوسف زلیخا کے رابطہ کے بااخلاق استاذ کی صلاحیت، صالحیت، قابلیت اور غربت کا نقشہ، ایسے دل آویز انداز میں کھینچا کہ کوئی فنی اور ذوقی ادیب اس کی لطافت سے لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، تحریر فرماتے ہیں کہ ’’**موصوف بزرگوں سے خط و کتابت اور تجاویز مرتب کرنے کا ڈھنگ بھی سکھلاتے رہے، مہمان نوازی گھٹی میں پڑی تھی، کشادہ**

دست نہیں تھے مگر کبھی شکوہ شکایت یا اظہارِ غم کرتے نہیں دیکھا، بندے کو اپنے فرزندوں میں شمار کرتے‘‘ اس پیراگراف کو مکرر سہ کرر پڑھئے، کہ فارسی کے استاذ سے حاصل کئے کمالات کو کس خوش اسلوبی سے تعبیر کرتے ہیں، نیز کشادہ دست نہیں تھے، کی لطیف تعبیر پر سر دھنیے کیا کوئی صاحبِ ذوق ادیب استاذ کی غربت مالی کو اس حسین پیرایہ میں پیش کرتا ہے؟

حضرت مفکر ملت رحمۃ اللہ علیہ نے علاوہ ان بزرگوں کے مولانا محمد پانڈور صاحب سملکیؒ، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب پشاوریؒ، حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ معروفیؒ، حضرت قاری بندہ الٰہی صاحبؒ اور قاری محمد حسن صاحب امروہویؒ جیسی شخصیات سے متوسطات سے لے کر علیا تک کی کتابیں پڑھیں اور اپنی تشنہ لبی کو دور کرتے ہوئے دامنِ مراد کو گوہر مقصود سے لبریز کرتے رہے اسی زمانۂ طالب علمی یعنی ڈابھیل کے قیام کے زمانہ میں یادگار علامہ کشمیریؒ بل کہ علوم انور شاہؒ کے امین وناشر، حضرت علامہ بنوریؒ جو محمد ثانہ شان رکھنے کے علاوہ فصیح عربی زبان بولنے اور لکھنے پر یکساں قدرت رکھتے تھے؛ کے متعلق حضرت اپنے انطباعات بایں الفاظ پیش فرما رہے ہیں کہ ’’**بہت خوب صورت چہرہ، اعلیٰ لباس، دور سے دیکھ کر ہی آدمی مرعوب ہو جاتا سردیوں میں سبز عمامہ باندھتے تو چہرہ مزید بارونق لگتا**‘‘۔

یہ تو آپ کا جمالِ صوری تھا، ان کے کمالِ علمی کو یوں تعبیر فرمایا کہ ’’**ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ عربی زبان کے کتنے لغات آپ کو یاد ہیں فرمایا کہ الحمدللہ اس وقت تقریباً نوے ہزار الفاظ حافظہ میں محفوظ ہیں**‘‘۔

مزید کمال قدرت علی العربی کو یوں تعبیر فرمایا کہ ''**۱۹۵۳ء میں حرم شریف میں شیخ قطبیؒ کے ساتھ عربی میں گفتگو کرتے سنا تو بندہ حیران ہو گیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عربی آپ کی مادری زبان ہے اتنی فصیح اور طلاقت کے ساتھ عربی گفتگو کرتے اور کسی کو نہیں پایا**''۔

نیز اپنی عقیدت کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''**حرم شریف کی ایک ملاقات پر بندے نے قیام گاہِ باب العمرہ پر حاضر ہو کر درخواست کی کہ کاپی میں کوئی نصیحت تحریر فرما دیں تو فوراً قلم اٹھایا اور تحریر فرمایا کہ**

الا کل شئ ماخلا اللہ باطلا   وکل نعیم لامحالۃ زائلا

یہ حضرت مرحوم مفکر ملت کا وہ نفیس ذوق تھا جہاں کوئی عبقری شخصیت سے ملاقات ہوتی تو نصیحت کی درخواست کرتے تاکہ بزرگوں کا عکس تحریر محفوظ ہو جائے اور ان کی صحبتوں کے یادگار لمحات نقش کالحجر ہو جائیں۔

حسن تعبیر، حسن سلوک، حسن اخلاق اور حسن انتظام پر مشتمل حضرت موصوفؒ کی یہ ادائیں اپنے پرائے اور شناسا غیر شناسا سب کے ساتھ حسب مراتب ہوتی تھیں، نیز یہ نہیں کہ اپنے ذوق اور مزاج کو صرف دوسروں پر تھوپ کر خود کو دوسروں سے مستغنی سمجھتے، بل کہ آپ میں جہاں اچھائیاں اور محاسن، تقسیم کرنے کا داعیہ تھا وہیں دوسروں سے اخذ کر کے اپنے آپ کو آراستہ کرنے کا حوصلہ بھی تھا، خصوصاً علمی تعبیرات کو ان سے محفوظ کرتے، اگر وہ مضمون اور تعبیر بلاواسطہ اخذ ہوا ہو تو خطیب ہی کے لب ولہجہ میں پیش فرماتے۔ اور اگر بالواسطہ کوئی مضمون اخذ ہوتا تو الفاظ کے زیر و بم کے ساتھ ایسا ادا فرماتے کہ لگتا کہ آپ بھی وہاں موجود ہوں، بارہا سامعین

نے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کا مشہور خطاب جو جامع شاہ جہانی میں ہندوستان سے ہجرت کرنے والوں کو مخاطب کر کے کیا تھا، کہ ''**اے ہندی مسلمانو! اس جامع شاہ جہانی کے بلند و بالا منارے تم کو جھک جھک کر سلام کر رہے ہیں**''۔

میرا مقصد یہ ہے کہ تعبیرات خطابی ہوں یا تحریری اس کو بار بار نوک زبان لا کر خود بھی محظوظ ہوتے اور حاضرین کو بھی لطف اندوز کرتے، چناں چہ ''رشد وہدایت کے مینار'' کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''**راقم کو اپنے سفر قطر کے دوران (جو جامعہ کے ناظم تعلیمات مولانا حذیفہ بن مولانا غلام محمد صاحب وستانوی کے ساتھ ہوا) جمعہ کی نماز کے لیے ایک مسجد میں جانا ہوا اس موقع پر امام صاحب نے لمبا خطبہ پیش فرمایا اور اخیر میں فرمایا** وللحدیث بقیۃ وان شاء اللہ ساقدم فی الجمعۃ القادمۃ بشرط اللقاء والبقاء ''**اس کا یہ خوب صورت جملہ مجھے بہت اچھا لگا اور فوراً میں اسے اپنے نہاں خانہ دماغ میں محفوظ کر لیا**''۔

اسی طرح حضرت مرحوم اپنا ایک اور واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ ''**ممبئی میں مصریوں کا ایک دفتر** المرکز الثقافی المصری **تھا، ترکیسر کے قیام کے زمانے میں ایک دن ممبئی جانا ہوا، میں نے اپنے پاس کافی وقت دیکھ کر** المرکز الثقافی **کا رخ کیا، وہاں پہنچ کر** غرفۃ الاستقبال **میں داخل ہوا، جہاں ایک مصری خاتون تشریف رکھتی تھیں، میں نے ان سے کہا** السلام علیکم انا من طلبۃ العلم جئت ھنا لاستفید من مکتبکم **انہوں نے فوراً کہا** اھلاً و سھلاً **اور ایک نوکر کو آواز دی اور کہا** یا محمد تعال **یہ سن کر وہ جلدی سے آیا، انہوں نے چابی نکالی اور محمد کو دی اور کہا** ''خذ المفتاح و فرج المکتبۃ'' **یہ سن کر میں سوچنے لگا کہ او ہو! تم نے تو پہلے کبھی**

یہ تعبیر نہیں سنی، ہم تو فرج کی جگہ افتح بولتے چلے آرہے ہیں‘‘۔

دیکھئے! ایسا لگتا ہے کہ ہر وقت گویا تعبیرات کے متلاشی رہتے تھے۔

الحمدللہ! راقم کو حضرت وستانوی مدظلہٗ کے حکم پر مرحوم کی دو تین کتابیں طباعت کرانے کا موقع ملا، ایک کتاب ’’دیوان امام شافعیؒ‘‘ کی طباعت پھر ایک کتاب (جو حضرت علی میاں صاحبؒ کے ایک عربی سفرنامہ کا ترجمہ ہے) کی طباعت، بہت حسین اور خوب صورت ہوئی لیکن سوئے اتفاق کہ پروف ریڈنگ کی کمی کی وجہ سے اغلاط خاصی تھیں، بعض حضرات نے اسی کو موضوع بحث بنا کر ایک مقدس مقام پر حسن طباعت کو قبح طباعت سے تعبیر کرنے کی کوشش کی تو ان حاضرین مجلس کو بہت ہی تربیتی انداز میں یہ کہہ کر ساکت وصامت کر دیا کہ **’’عبدالرحیم تو میرا جگر پارہ ہے‘‘** یہ بڑوں کی شان ہوتی ہے کہ مجلس میں کوئی غیبت یا تحقیر کی کوشش کرے تو مسئلہ کو طول دینے کے بجائے اس کو مناسب انداز میں سمیٹ لیتے ہیں۔

بہر حال! سر دست حضرتؒ کی حسن تعبیرات کو موضوع بحث بنا کر ایک جھلک دکھانے کی کوشش کی گئی ہے، ورنہ تو یہ موضوع بہت طویل ہے۔

اس کے علاوہ حیات مفکر ملتؒ کے ان گوشوں کو بھی موضوع بنا کر متوسلین و متعلقین کو مشعل راہ دکھائی جا سکتی ہے، مثلاً:

(۱)......حضرت مفکر ملتؒ اپنی تالیفات کے آئینہ میں۔

(۲)......حضرت مفکر ملتؒ کا ذوق انتظام۔

(۳)......حضرت مفکر ملتؒ کا ذوق مطالعہ۔

(۴)......حضرت مفکر ملتؒ اور حضرت مفکر اسلامؒ کے خوش گوار تعلقات۔

(۵)......حضرت مفکر ملتؒ اور خادم القرآن کے بے لوث روابط۔

(۶)......حضرت مفکر ملتؒ ہم عصر علماء کی نظر میں۔

(۷)......فلاح دارین کا فیض حضرت مفکر ملتؒ کا فکر عمیق۔

(۸)......مدارس اسلامیہ کا ہمدرد وغم گسار چل بسا۔

(۹)......امت ایک مثالی اور قابل تقلید شخصیت سے محروم۔

(۱۰)......گلشنِ فلاح دارین اور اس کا باغباں۔۔۔وغیرہ

اللہ تعالیٰ حضرت مفکر ملت رحمۃ اللہ علیہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ہم سب کو ان کے چھوڑے ہوئے تابندہ نقوش پر چلنے کی توفیق ارزانی عطا فرمائے۔ (آمین)

صرف اِتنا ہی نہیں میت اٹھانے تک تجھے
اہل دل رویا کریں گے اک زمانے تک تجھے
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اللھم اغفرلهٗ وارحمهٗ وادخلهٗ فی فسیح جناتك

انا للہ وانا الیہ راجعون

مرثیہ بروفات حسرت آیات

استاذ الاساتذہ مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ

سابق رئیس جامعہ فلاح دارین ترکیسر سورت گجرات

و......سرپرست جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

از: قاری حسین احمد صاحب معروفی قاسمی استاذ جامعہ اکل کوا

حضرت کاپودری پہنچے بہ خدمت کردگار
ان کی ہجرت کر گئی ہے ہر کسی کو بے قرار
آنکھ سے آنسو ہیں جاری دل ہیں سب کے مضطرب
یاد آجاتا ہے سب کو ان کا روئے باوقار
گلستانِ علم و فن کی آج مدھم ہے ضیاء
بن ترے علمی مجالس اور محافل سوگوار
جامعہ ڈابھیل اُن کا مرکز علمی رہا
تھی لگن تعلیم کی ماحول بھی تھا سازگار
جامعہ ڈابھیل سے پہنچے تھے حضرت دیوبند
تھیں حصول علم کی خاطر فضائیں خوش گوار
اور نصابِ رسمی سے جب آپ فارغ ہوگیے
علم کا فیض گراں لے آئے وہ اپنے دیار
مجلس خدام دیں کے اولاً نگراں رہے
پھر کمیٹی نے کیا مجلس کا اُن کو ذمہ دار

پھر وہاں سے جامعہ ڈابھیل رخصت ہوگیے
تھی وہاں تدریس اُن کی شان دار و جان دار
پھر چلے آئے وہاں سے جامعہ دارین میں
اور لگایا علم و حکمت میں وہاں پر چاند چار
جامعہ اکل کوا سے تھی محبت آپ کو
حضرت وستانویؔ بھی آپ ہی کی یاد گار
حضرت اسحاقؔ وستانی کو تھا قلبی لگاؤ
جو ہیں تحفیظ القرآں کے صدرِ عالی باوقار
تیری تربیت کا مظہر ہیں حذیفہؔ اور رحیمؔ
خدمت دینِ مبیں ان کی عیاں لیل و نہار
چشمۂ فیض آپ کا برسوں سے جاری ہے یہاں
آپ کے فیضان کی دنیا میں ہے لمبی قطار
آپ کو بخشا تھا رب نے ہر طرح کی خوبیاں
اہلِ دل کے واسطے تھے وہ مربی ذی وقار
جامعہ کے شعبہائے علم کے نگراں تھے وہ
تھے قریب مرگ پھر بھی ذکر کرتے بار بار
ہو عطا صبر و سکوں اور ہو عطا صبر جمیل
ہے دعا احمدؔ کی تجھ سے پاک اے پروردگار

اللّٰہم اغفرلہٗ وارحمہٗ وسکنہٗ فی الجنۃ